علامہ اقبالؒ کا نظریہ تعلیم و تربیت

غلام حیدر آسی، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی

اٹھارھویں صدی عیسوی میں ایک طرف برصغیر ہند و پاک میں مسلمانوں کے اقتدار کا آفتاب غروب ہو رہا تھا تو دوسری طرف علمی و اخلاقی اور مذہبی احیاء کی سحر پھوٹ رہی تھی۔[1] برصغیر میں تجدید احیائے دین کا سہرا ولی اللہؒ اور اس کے خاندان کے سر ہے۔ تحریک ولی اللہ کے علمبرداروں نے نہ صرف زورِ قلم سے اشاعت و تبلیغ کی بلکہ جوشِ ایمانی کی بنا پر جہاد بالسیف سے بھی کام لیا اور خلافتِ راشدہ کے نمونہ کو دوبارہ زندہ کرنے کے لئے بے دریغ تن من دھن کی قربانیاں دیں۔ قانونِ الٰہی اور سنتِ نبوی کے احیاء کے لئے معرکۂ آکوڑہ اور معرکۂ بالاکوٹ جہاد فی سبیل اللہ کی قابلِ تقلید مثالیں ہیں۔

جس علمی و اصلاحی، اخلاقی و روحانی اور ملّی و مذہبی تحریک کا بیج شاہ ولی اللہؒ نے بویا تھا، سید احمد شہید نے جامِ شہادت نوش کر کے، سرسیّد نے زوال مسلم کا علاج تحریکِ علی گڑھ کے ذریعہ، علماء امت نے دیوبند کی تاسیس کے ذریعہ، مفکرینِ ملّت نے مشرق و مغرب کی اس خلیج کو پاٹنے کے لئے ندوہ کا سنگِ بنیاد رکھ کر اسی ولی اللّٰہی تحریک کو زندہ رکھا ہے۔ جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء سے لے کر تحریکِ نظریۂ پاکستان ۱۹۳۰ء تک کا دور ہند و پاک کے مسلمانوں کی ذہنی کشمکش کا دور ہے۔ اگرچہ تمام علماء و اکابرین کا مقصدِ وحید ملّتِ اسلامیہ کو منازلِ ارتقاء سے ہمکنار کرنا تھا لیکن اس منزلِ مراد کے لئے ہر ایک کی راہ اس کی اپنی فکر و نظر پر مبنی تھی۔ سرسیّد اور

---

[1] تاریخ پاک و ہند از عبد الرسول ص ۴۷۸

ان کے رفقائے کار کا اندازِ فکر یہ تھا کہ مسلمان تقلیدِ مغرب اور مغربی علوم کے حصول ہی سے ہمدوشِ ثریا ہو سکتے ہیں۔ ان کا انداز معذرت آمیزانہ اور مدافعانہ تھا۔[2] سیاسی حالات کے زیرِ اثر وہ مذہبِ اسلام کی ہر چیز کو مغربی اصول و خیالات کے ساتھ تطبیق دینے میں محو رہے۔ یورپ کی برقی تہذیب نے ان کی آنکھیں چندھیا دی تھیں۔ اور اس کے تاریک پہلو سے وہ آگاہ نہ تھے۔[3] اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں لیکن اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ وہ ملت اسلامیہ کے احیاء کے لئے کوشاں رہے اور اس میں وہ مخلص بھی تھے۔ قیامِ پاکستان میں ان کی بنا کردہ تحریک کا نمایاں حصہ ہے۔

تحریکِ علی گڑھ کے ردِّ عمل میں گو دیوبند کے احسانات فراموش نہیں کئے جا سکتے۔ لیکن اس جوشِ تردید میں شبلیؒ اور ابوالکلام آزادؒ کی حیثیت نمایاں ہے۔ شبلی سرسیّد کا ذرائع حصولِ علم میں ممنونِ احسان سہی لیکن علی گڑھ کالج کے علمی معیار سے وہ اس قدر مایوس ہوا کہ اس نے اس تحریک کی پُر زور مخالفت کی۔[4] سرسیّد اور علمائے دیوبند کے مذہبی عقائد و خیالات میں بُعد المشرقین سہی لیکن یہ اختلافات اصولی تھے[5] اور اربابِ دیوبند کا طرزِ عمل اسلاف کے نمونہ پر تھا۔ عملی طور پر سب سے بڑا مخالف شبلی ہوا۔ اور اس مخالفت کو انتہا پر پہنچانے والا ابوالکلام آزاد تھا، جس نے مسلمانانِ ہند کی مذہبی، علمی اور اجتماعی زندگی پر فوری اور غیر معمولی اثر ڈالا۔ اس عرصہ میں اس ردِّ عمل کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ مسلمانوں میں مذہبی احیاء اور اپنی اقدار کو زندہ اور تحسینِ نظر سے دیکھنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ تھوڑے عرصہ بعد اسی جذبہ نے انتہا کی راہ اختیار کر لی۔ نتیجتاً مغرب کی ہر شئے ناپسند اور مشرق کی ہر شئے پسندیدہ ہونے لگی۔ قوم اسلاف کے کارہائے نمایاں دہرانے اور ان کی عظمت کے گانے میں مشغول ہو گئی۔ تو وہی شبلی کہہ اٹھا:-

پہلے گر شانِ غلامی تھی تو اب خیرہ سری — اس دور اہے میں کوئی بیچ کی حد ہے کہ نہیں

---

[2] موجِ کوثر از شیخ محمد اکرام ط ثانی ص ۱۷۸ فیروز سنز ۱۹۵۸ء

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

[4] موجِ کوثر ص ۲۵۳ [5] موجِ کوثر ص ۲۷۸

تحریکِ علی گڑھ اور اس کے مخالفین کی یہ کشمکش ابھی جاری تھی کہ سرزمینِ پاک کے شہر سیالکوٹ سے جنم لینے والا دورِ حاضر کا سب سے بڑا مذہبی مفکر[۶] کارزارِ حیات میں گامزن ہوا۔ اگرچہ اس کی نشو ونما اسی دورِ کشمکش میں ہوئی لیکن وہ ہر دو تحاریک سے الگ تھلگ رہا۔ وہ دینی و دنیاوی ہر دو زیوراتِ علم سے آراستہ تھا۔ اسلام سے محبت و عقیدت اس نے ورثہ میں پائی تھی اور مغربی علوم و فلسفہ کی تحصیل و تکمیل مغرب کی درس گاہوں سے کی تھی۔ اور ڈاکٹر یوسف حسین کے الفاظ میں "اقبال کی زندگی میں مشرق و مغرب کے علم و حکمت کے دھارے آکر مل گئے تھے۔ اس کا کلام اس کے دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس نے عہدِ جدید کے انسان کا جو تصور پیش کیا ہے، جسے وہ مردِ مومن کہتا ہے وہ ایسا جاندار تصور ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ جتنا زمانہ گزرے گا اتنی ہی اس کے کلام کی تاثیر بڑھتی جائے گی۔ ادب اس کے جذبات کی قدر کرے گا۔ فلسفہ اس کے تخیل وجدان سے بصیرت اندوز ہوگا اور سخن آرائی اس کی نازک خیالی پر وجد کرے گی"[۷] اقبال کے تمام نظم و نثر کے ذخیرہ کا ماحصل مذہبِ انسانیت، دینِ فطرت اور شرعِ الٰہی کی حکیمانہ تعبیر و تشریح ہے۔ مذاہبِ عالم کا تقابلی مطالعہ اور فلاسفۂ عالم کے نظریات کا تجزیہ کرنے کے بعد ایک بے لاگ نقاد کی طرح اس کی چشمِ بصیرت اور فہم و فراست نے بھانپ لیا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود اور انسانِ کامل کی نشو و نما دینِ فطرت اور دینِ اسلام کے اصول ہی پر مبنی ہے۔ چونکہ اس کے تمام فلسفۂ حیات کا مقصدِ وحید انسانِ کامل ہے۔

ع کز دام و دو ملولم و انسانم آرزو است[۸]

اس لئے اس نے دینِ اسلام کی ترجمانی نئے انداز میں جدید تقاضوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مستحکم بنیادوں پر کی ہے جن کے اخذ کرنے سے تمام انسانیت دینوی و اخروی فلاح و سعادت سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔ اس نے پیغامِ مصطفوی کی حجت دنیائے انسانیت پر تمام کرتے ہوئے صاف فرما دیا ہے :۔

---

[۶] موجِ کوثر صفحہ ۳۳ والمنار۔ رشید رضا۔ [۷] روحِ اقبال صفحہ ۱۱

[۸] جاوید نامہ صفحہ ۱۲

ہست دینِ مصطفٰؐ دینِ حیات - شرعِ او تفسیرِ آئینِ حیات[9]

اور: بمصطفٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست - اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است[10]

اقبال نے انسانِ کامل بننے کے لئے جو راہیں دکھائی ہیں درحقیقت وہی اس کا تعلیمی فلسفہ اور نظریہ ہیں۔ تعلیم محض مدرسوں، سکولوں اور کالجوں میں پڑھائی جانے والی نصابی کتب سے اخذ شدہ ذخیرۂ معلومات کا نام نہیں بلکہ وہ عمل ہے جس سے نفسِ ناطقہ کی تمام پوشیدہ قوتیں کمال پذیر ہو جائیں[11] اس لئے ہر وہ فکر و عمل جو فرد یا جماعت کے نفسِ ناطقہ کو متاثر کرتا ہے تعلیم میں شامل ہے۔ چونکہ اقبال ایک خلاق مفکر ہے اس لئے اس کا منفرد پیغام انسانیت کے نام، اُس کے نظریات، اس کی پیش کردہ اقدارِ حیات، پوری سوسائٹی اور اس کے ہر فرد کو متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ لہٰذا اس کا یہی فکر و فلسفۂ حیات تعلیمی نظریہ بھی کہلاتا ہے۔[12]

اقبال ایک مسلمان فلسفی شاعر ہے اس کا ہر شعر، ہر جذبہ، ہر تخیل اور ہر خیال اس کے نظامِ فکر سے مربوط ہے۔ اور ہر جگہ اپنے مخصوص مطالب کا حامل ہے۔ اس نے اپنے کلام، مقالات و خطبات اور نثری تحریرات میں تعلیم کے بنیادی اصولوں کی وضاحت بھی کی اور تعلیم کے لئے علمی اصول بھی وضع کئے ہیں۔

' تعلیم کا (جس کی بنیاد علمِ حق پر ہے) اصل مقصد ارتقائے انسانیت (عرفانِ نفس + عرفانِ کائنات + عرفانِ خالق = تعمیرِ خودی ہے۔)

ہر چیز ہے محوِ خود نمائی — ہر ذرہ شہیدِ کبریائی
بے ذوقِ نمود زندگی موت — تعمیرِ خودی میں ہے خدائی
رائی زورِ خودی سے پربت — پربت ضعفِ خودی سے رائی

---

[9] اسرار و رموز صـ ۱۴۸ — [10] ارمغان حجاز صـ ۲۷۸

[11] مقالاتِ اقبال از سید عبدالواحد صـ ۱۳۱

[12] IQBALS EDUCATIONAL PHILOSOPHY. مصنفہ خواجہ غلام السیدین صـ ۱۶

[13] بال جبریل صـ ۷۹

انسانیت کا مقصود بتاتے ہوئے حکیمِ مشرق نے ضربِ کلیم میں تعلیم و تربیت کے باب میں "مقصود" کے زیرِ عنوان نہایت واضح الفاظ میں بتایا ہے کہ سپینوزا کے مطابق مردِ دانشمند حیات پر نظر رکھتا ہے۔ اور حیات، حضور و سرور و نور و وجود کا نام ہے۔ افلاطون کی نظر میں مردِ دانشمند کی نگاہ موت پر ہوتی ہے جبکہ حیات شبِ تاریک میں نمودِ شرر کا نام ہے۔ لیکن حکیمِ امت کی نگاہ میں، حیات و موت ایک مومن، ایک انسانِ کامل کے لئے التفات کے لائق نہیں بلکہ خودی کی نگاہ کا مقصود خودی ہی ہو سکتی ہے[14] لیکن اس تعمیرِ خودی کے لئے شواہدِ ثلاثہ کی ضرورت ہے جو خودی کے مدارج کہلاتے ہیں:-

زندگی خود را بخویش آراستن — بر وجودِ خود شہادت خواستن
شاہدِ اوّل شعورِ خویشتن — خویش را دیدن بنورِ خویشتن
شاہدِ ثانی شعورِ دیگرے — خویش را دیدن بنورِ دیگرے
شاہدِ ثالث شعورِ ذاتِ حق — خویش را دیدن بنورِ ذاتِ حق
پیشِ این نور ار بمانی استوار — حیّ و قائم چوں خدا را خود شمار[15]

فلسفۂ اقبال کی رُو سے کائنات کا ہر ذرہ اپنی حیاتِ خودی کے زور سے ہی اپنا وجود قائم رکھ سکتا ہے۔[16] انسان جو اشرف المخلوقات ہے، اپنی خودی کے زور سے نہ صرف تسخیرِ فطرت کی صلاحیت رکھتا ہے بلکہ حقیقتِ مطلقہ کو بھی اپنے اندر جذب کر سکتا ہے۔ انہی مدارجِ ثلاثہ "شعورِ ذات، شعورِ کائنات اور شعورِ حق" کی تکمیل ہی کا نام ارتقائے انسانیت ہے جس کی یاد دہانی کے لئے اقبال نے اپنا جامع نظامِ فکر پیش کیا ہے۔

نظامِ تعلیم میں اس تعمیرِ خودی اور اس کے متضمنات کو مدِّ نظر رکھنا ضروری ہے۔ اس طرح جب فرد کی خودی جلوہ گر ہوگی تو اجتماعی خودی بھی تابندہ ہو کر مصروفِ کار ہوگی۔ انفرادی اور اجتماعی خودی کے مصروفِ عمل ہونے سے وہ معاشرہ وجود پذیر ہوگا جس میں بنی نوع انسان کو اپنے حصولِ مقصد کے لئے خوشگوار ماحول میسّر آئے گا۔

---

[14] ضربِ کلیم ص ۶۶ — [15] جاوید نامہ ص ۱۳

[16] چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است — پس بقدرِ استواری زندگی است (اسرار و رموز ص ۱۵)

اقبال کے فلسفۂ خودی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سب سے پہلے اور اہم نکتہ جو سامنے آتا ہے وہ انسان کا اثباتِ وجود ہے۔ ضروری ہے کہ نظامِ تعلیم میں احساسِ فردیت، عرفانِ نفس اور احترامِ انسانیت پر زور دیا جائے :۔

باخبر شو از مقامِ آدمی　　آدمیت احترامِ آدمی [17]
برتر از گردوں مقامِ آدم است　　اصلِ تہذیب احترامِ آدم است [18]

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ حقیقتِ کائنات کی وضاحت کی جائے۔ اور یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ کائنات میں فعّال و خلاّق ہستی انسان ہی کی ہے۔ وہ کائنات کو مسخر کر سکتا ہے لیکن اس کے لئے ایک قوتِ عمل کی ضرورت ہے اور یہ قوتِ عمل جس سے عناصر پر حکمرانی نصیب ہوئی ہے عرفانِ حق سے پیدا ہوئی ہے۔ عرفانِ الٰہی دینِ فطرت پر مبنی ہے جو ایمان و عمل کا مجموعہ ہے۔ ایمان میں تمام عقائد اسلام اور عمل میں شرعِ الٰہی اور سنتِ نبیؐ شامل ہیں۔

مذاہبِ عالم میں سے ہر ایک کا اپنا مخصوص فلسفہ ہے جو اس کی جان ہے۔ مثلاً مسیحی فلسفۂ اخلاق میں انکساری۔ لیکن اسلام کا طرۂ امتیاز فلسفۂ توحید ہے۔ توحید محض ایک عقیدہ اور شعورِ عقلی ہی نہیں بلکہ احساسِ کامل بھی ہے جو دل و جان پر طاری رہتا ہے۔ اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ یہی ہے کہ اس نے قرآنی تصورِ توحید کی پُرزور انداز میں محمدی تعبیر پیش کی جبکہ دنیائے اسلام اس سے ناآشنا ہو چکی تھی۔

ملّتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ　　سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ
دیں ازو حکمت ازو آئیں ازو　　نور ازو قوت ازو تمکیں ازو
نقطۂ ادوارِ عالم لا الٰہ　　انتہائے کارِ عالم لا الٰہ

اور خودی کا سرِ نہاں لا الٰہ الا اللہ ! [20]

جس تعلیمی نظام میں صدائے لا الٰہ الا اللہ شامل نہ ہو اس سے تربیتِ انسانِ کامل کی توقع رکھنا بے سود ہے۔ ہاں اگر جوہر میں احساسِ لا الٰہ اور دل میں سوزِ لا الٰہ ہو تو پھر لادینی نظام

---

[17] جاوید نامہ صـ ۲۴۲
[18] جاوید نامہ صـ ۷۸
[19] اسرار و رموز صـ ۱۰۶
[20] بال جبریل صـ ۶۹

تعلیم کے نقصانات سے بچا جا سکتا ہے :-

جوہر میں ہو لا الٰہ تو کیا خوف ۔ تعلیم ہو گو فرنگیانہ

اس قرآنی تصوّرِ توحید کے احساس کو دل وجان پر طاری کر کے عقیدۂ رسالت کے تحت اسوۂ رسول کو اپنانا ضروری ہے۔ کیونکہ رسول اللہ ؐ فطرۃ اللہ کے نگہبان، شرعِ الٰہی کے ترجمان اور خاتم النبیین ہیں :-

معنیِ جبریل و قرآن است او ۔ فطرۃ اللہ را نگہبان است او

از رسالت در جہاں تکوینِ ما ۔ از رسالت دینِ ما آئینِ ما

زندہ ہر کثرت ز بندِ وحدت است ۔ وحدتِ مسلم ز دینِ فطرت است

دینِ فطرت از نبی آموختیم ۔ در رہِ حق مشعلے افروختیم

پس خدا بر ما شریعت ختم کرد ۔ بر رسولِ ما رسالت ختم کرد

رونق از ما محفلِ ایام را ۔ او رسل را ختم ما اقوام را

لانبیّ بعدی ز احسانِ خدا است ۔ پردۂ ناموسِ دینِ مصطفےٰ است [22]

حضرت محمد مصطفےٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کردہ آئینِ الٰہی پوری انسانیت اور اس کے ہر شعبۂ حیات کی فلاح کا ضامن ہو سکتا ہے۔ یہی آئینِ حق بالفاظِ دیگر شرعِ اسلام کہلاتا ہے۔ اور اسی کی تحصیل و تکمیل کا نام علمِ حق ہے۔

ملّت از آئینِ حق گیرد نظام ۔ از نظامِ محکمے خیزد دوام

با تو گویم سرِّ اسلام است شرع ۔ شرع آغاز است و انجام است شرع

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست ۔ اصلِ سنت جز محبت ہیچ نیست

فرد را شرع است مرقاتِ یقین ۔ پختہ تر از وے مقاماتِ یقین [23]

یہی آئینِ مسلّم و جامع اصولوں پر حاوی کتاب اللہ کی صورت میں ملت کے لئے تا ابد محفوظ ہے۔ اور اسی پر حیاتِ اُمتِ مسلمہ کا انحصار ہے :-

---

[21] ضربِ کلیم ص ۸۶

[22] اسرار و رموز ص ۱۱۸

[23] اسرار و رموز ص ۱۴۶

از یک آئینی مسلماں زندہ است - پیکرِ ملّت زقرآں زندہ است
اندرو تقدیر ہائے غرب و شرق - سرعت اندیشہ پیدا کن چوں برق [۲۴]

یہی دونوں قوتیں ایمان و قرآن کائناتِ زندگی کے لئے مرکزی حیثیت رکھتی ہیں۔ نورِ ایماں سے منور ہو کر کتاب خواں کے روپ میں نہیں بلکہ فکر و عمل میں صاحبِ کتاب کی حیثیت سے قرآن کی تعلیم حاصل کی جائے۔ قرآن کی تعلیم، جو انسان کے کردار اور کائنات پر اس کے اقتدار و تصرف میں ارتقاء پر یقین دلاتی ہے۔ خوف و رجا سے بالاتر ہوتی ہے۔ یہ دمادم بڑھنے والی کائنات کو تصرف میں لانے اور نیکی کو بدی پر غالب کرنے کی قوت پیدا کرتی ہے۔[۲۵] جب آئینِ الٰہی کی تعلیم انسانیت کے ہر شعبۂ حیات میں جاری و ساری ہو جائے تو جہانِ نو کی تخلیق ہو جاتی ہے جس کے سامنے کفر و باطل کی سب سے بڑی قوت بھی الحذر کی فریاد کرتی ہے :-

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر - حافظِ ناموسِ زن مرد آزما مرد آفریں!
موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لئے - نے کوئی فغفور و خاقاں نے فقیرِ رہ نشیں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف - منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و نظر کا انقلاب - پادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں
عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف - ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں
ہر نفس ڈرتا ہوں اسی امت کی بیداری سے میں - ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے - مزدکیت فتنۂ فردا نہیں اسلام ہے [۲۶]

اس جہانِ نو کی تعمیر ہی ہر نظامِ تعلیم کا مقصد ہوتا ہے اس لئے مدارجِ تعلیم کی بنیاد اسی لائحۂ عمل پر استوار کرنا پڑے گی جسے مفکرِ ملت نے فلسفۂ خودی سے تعبیر کیا ہے۔ اور مومنِ کامل کے لئے تعلیم و تربیت کا واحد لائحۂ عمل صرف یہی ہے۔

مفکرِ اسلام حکیمِ ملّت نے جہاں یہ فلسفۂ تربیت علمِ حق (تعلیمِ حقیقی) کی تعبیر و تشریح میں

---

[۲۴] جاوید نامہ صد ۹۱۔
[۲۵] تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ صد ۱۵۲ [۲۶] ارمغانِ حجاز صد ۲۲۴ - ۲۲۸

پیش کیا وہاں ہمارے مروجہ نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لئے بھی بیش بہا علمی و اصلاحی اصول بتائے۔ ان کی فکرِ چالاک، طبعِ دراک، نگاہِ قلندرانہ اور قلبِ محرمانہ نے بخوبی اس فتنۂ عظیم کو بھانپ لیا تھا جس سے دنیائے انسانیت کا ہر شعبۂ حیات انتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ انھوں نے اسلامی فلسفۂ اخلاق و حیات کے بنیادی رکن توحید کو ہر مرض کا علاج بتا کر اس عظیم خطرے کی نشان دہی کی کہ دوئی درحقیقت قلب و نظر کا فساد ہے۔ اور مشرق و مغرب دونوں ہی اس رنجوری قلب و نظر کا شکار ہیں۔

ع جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری [۲۷]

قوتِ باطلہ ہمیشہ دوئی کا پرچار کرتی رہتی ہے اور اس ہمہ گیر فساد فی الارض کے لئے اس کا دلفریب و دلکش فلسفہ معرکۂ روح و بدن کی صورت میں جلوہ گر ہوتا ہے:۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا [۲۸]

لیکن حق ہمیشہ سنتِ ابراہیمی کے مطابق تیغِ توحید سے ان درندوں کا پیٹ چاک کر دیتا ہے۔

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل - یہ نکتہ وہ ہے جو پوشیدہ لاالٰہ میں ہے [۲۹]
باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے - شرکت میانۂ حق و باطل نہ کر قبول [۳۰]

قرآنی تعلیم جسے اقبال نے علمِ حق اور نفی و اثبات کے حسین امتزاج سے جابجا پیش کیا ہے۔ وہ انسانیت کی ابتدا و انتہا کا راز اسی میں مضمر بتاتے ہیں:۔

نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا اِلّا - پیامِ موت ہے جب لا ہوا اِلّا سے بیگانہ! [۳۱]

اس بارے میں اقبال کو نہ صرف مشرق سے بلکہ مغرب سے بھی یہی شکایت ہے کہ دونوں جامِ توحید کی مستی سے بیگانہ ہیں۔ ایک کے ہاں ساقی نہیں دوسرے کے ہاں صہبائے کیف ہے:۔

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے مے خانے - یہاں ساقی نہیں پیدا وہاں بے ذوق ہے صہبا
لیالب شیشۂ تہذیبِ حاضر ہے مئے لا سے - مگر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں پیمانۂ اِلّا [۳۲]

اسی لئے اقبال نے اپنے تعلیمی نظریہ کی بنیاد بھی اپنے فلسفۂ حیات پر رکھی کیونکہ دونوں کا مرکز

---

[۲۷] ضربِ کلیم صہ ۱۶۴ [۲۸] ارمغانِ حجاز صہ ۲۳ [۲۹] بالِ جبریل صہ ۹۹
[۳۰] ضربِ کلیم صہ ۱۷ [۳۱] ضربِ کلیم صہ ۶ [۳۲] ضربِ کلیم صہ ۸۱

توحید ہے۔ اور جب شیشۂ تہذیب مۓ توحید سے لبریز ہو جائے تو انفرادی و اجتماعی خودی بیدار ہو جاتی ہے۔ لیکن دَورِ حاضر کا بڑا المیہ مرگِ خودی ہے جس کی بنا پر

مغرب کا اندرون بے نور ہے مشرق مبتلائے جذام ہے۔ روح عرب بے تب و تاب ہے عراق و عجم کا بدن بے عروق و عظام ہے :-

مردہ لادینیٔ افکار سے افرنگ میں عشق ۔ عقل بے ربطیٔ افکار سے مشرق میں غلام [۳۳]

یہ تھا اقبال کا وہ تجزیہ جس کے ذریعہ انھوں نے تعلیم و تہذیبِ جدید کی ناکامی و نامرادی کا سبب بتایا ہے۔ ہند و پاک میں ملّتِ اسلامیہ کا ایک طبقہ مغرب کی مادی ترقی اور سیاسی قوت و غلبہ سے اس قدر مرعوب ہو چکا تھا کہ اس نے ملّت کے ارتقاء کا راز بھی مغرب کی تقلید میں مضمر سمجھا۔ اس کے ردّ عمل میں دوسرے فریق نے مغرب کے علومِ حواس و اشیاء کو غیر سمجھ کر اس کی تحصیل بھی حرام قرار دے دی تھی۔ یہ دَورِ کشمکش ملّتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ میں بہت دیر تک حائل رہا ہے۔ حکیم ملّت نے اس مرض کے لئے بھی نسخہ اکسیر پیش کیا۔ اُمتِ مسلمہ کے نوجوانوں، نونہالوں، شاہینوں اور طالبعلموں کو آہِ سحر، نورِ بصیرت، درسِ خودشکنی و خودنگری، طریقِ خارہ شگافی، پیام اور آبِ آتشناک اور شعلہ نوا پیش کرتے ہوئے ان پر تمام رموزِ قلندری فاش کر دیئے۔ ان پر یہ حقیقت آشکارا کی کہ جو قوم اپنی حیاتِ اجتماعی کو بامقصد بنا لیتی اور اپنی خودی سے انصاف کرتی ہے۔ صفحۂ ہستی سے کبھی مٹنے نہیں پاتی :-

مرگِ خرد از خشکیٔ رودِ حیات ۔ مرگِ قوم از ترکِ مقصودِ حیات ! [۳۴]

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے ۔ قوم جو کر نہ سکی، اپنی خودی سے انصاف!

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے ۔ کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف ! [۳۵]

علامہ اقبال نے ملّتِ اسلامیہ پر خودی کی اہمیت، اور نظامِ تعلیم و تربیت میں اس کی بنیادی حیثیت یوں واضح کی کہ ہندی مکاتب میں درسِ خودی کے احیاء کے بغیر شاہین بچہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

---

[۳۳] ضربِ کلیم صہ ۸۱ [۳۴] باقیاتِ اقبال صہ ۱۲۸ [۳۵] ضربِ کلیم صہ ۸۵

تعلیم کا مقصود واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "تعلیم کا مقصد یہ ہے کہ توارث متوالیہ کی موید ہو کر نفسِ ناطقہ قومی کو استبصار کامل بنائے تاکہ وہ اپنی ذات کے ادراک پر قادر ہو سکے"۔ [۳۶]

مغرب کے جدید و قدیم کے پروپیگنڈا کی تکذیب کر کے علم کی بنیاد دین پر رکھی۔ علم ظاہر و علم باطن کے تخریبی تفرقہ کا پردہ چاک کیا [۳۷]:-

وہ علم اپنے بتوں کا ہے آپ ابراہیم - کیا ہے جس کو خدا نے دل و نظر کا ندیم
زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک - دلیلِ کم نظری قصۂ جدید و قدیم
چمن میں تربیتِ غنچہ ہو نہیں سکتی نہیں ہے قطرۂ شبنم اگر شریکِ نسیم
وہ علم کم بصری جس میں ہم کنار نہیں تجلیاتِ کلیم و مشاہداتِ حکیم [۳۸]

خواجہ غلام السیدین کے استفسار پر علم کی تعریف کرتے ہوئے علامہ مرحوم تحریر فرماتے ہیں:-

"علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دار و مدار حواس پر ہے۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہیں معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے ایک طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے تحت رہنا چاہیئے۔ اگر دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ یہ علم، علمِ حق کی ابتدا ہے جیسا کہ میں نے جاوید نامہ میں کہا ہے:-

علمِ حق اوّل حواس آخر حضور - آخر او می نگنجد در شعور

وہ علم جو شعور میں نہیں سما سکتا اور جو علمِ حق کی آخری منزل ہے اس کا دوسرا نام عشق ہے (جس سے مغرب بے بہرہ اور مشرق نابلد ہے) علم و عشق کے تعلق میں جاوید نامہ میں کئی اشعار ہیں:-

علم بے عشق است طاغوتیاں - علم باعشق است از لاہوتیاں

مسلمان کے لئے لازم ہے کہ علم کو (یعنی اس علم کو جس کا مدار حواس پر ہے اور جس سے بے پناہ قوت پیدا ہوتی ہے) مسلمان کرے ع بولہب را حیدرِ کرار کرد۔

"اگر اس کی یہ قوت دین کے تابع ہو جائے تو نوعِ انسان کے لئے سراسر رحمت ہے"۔ [۳۹]

---

[۳۶] مقالاتِ اقبال ص ۱۳۱ [۳۷] انوار اقبال ص ۲۶۸ [۳۸] ضربِ کلیم ص ۱۹
[۳۹] IQBAL'S EDUCATIONAL PHILOSOPHY. P. 88.

علم را مقصود اگر باشد نظر - می شود ہم جادہ و ہم راہبر
علم تفسیر جہانِ رنگ و بو - دیدہ و دل پرورش گیرد ازو
بر مقامِ جذب و شوق آرد ترا - باز چوں جبریل بگذارد ترا [۴۰]

اور یہی علم حیاتِ امتِ مسلمہ کے لئے روح کی حیثیت رکھتا ہے۔
حکیمِ ملت کو بخوبی یہ راز معلوم تھا کہ ملتِ کفر نے ہمیشہ ملتِ اسلامیہ کو اس کے بلند نصب العین سے غافل رکھنے کے لئے اپنے نظامِ تعلیم میں بے خودی اور مادہ پرستی کا تیزاب ملا دیا ہے۔ جب تک اس کی تعلیم سے اس تیزاب کو دور نہ کیا جائے۔ تعلیم و تربیت سے قوم کی اصلاح ناممکن ہے:۔

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو - ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر
تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب - سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر [۴۱]

اسی مضمون کی مزید وضاحت ان الفاظ میں فرمائی:۔ [۴۲]

اور یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم - ایک سازش ہے فقط دین و مروت کے خلاف!

وہ جانتے تھے کہ ملتِ کفر کا مقصد اسی تعلیم کی ترویج سے انتقامی و تخریبی ہے، تعمیری نہیں۔ انھوں نے ایسا نظامِ تعلیم جاری کر رکھا ہے جس سے شاہین بچوں کے زاویہ ہائے نگاہ بدل جاتے ہیں۔ اور یہ تاریخِ عالم کا مسلّمہ اصول ہے کہ زاویۂ نگاہ بدلنے سے اشیاء کی اقدار بدل جاتی ہیں:۔

نوعِ دیگر بیں جہاں دیگر شود - ایں زمین و آسماں دیگر شود

فرنگی مغربی مدارس تعلیم و تہذیب اور یورپی طرزِ فکر سے علامہ اقبال کی بیزاری درحقیقت ان کی بصیرتِ دینی، جرأتِ ایمانی اور تحقیقی مطالعہ و مشاہدہ پر مبنی تھی۔ اور اس کا اظہار انھوں نے جابجا نہایت دردمندی سے کیا ہے۔ بانگِ درا میں تعلیم کے بارے میں جو مزاحیہ اشعار ہیں۔ ان میں درد کی کسک شدت سے محسوس ہوتی ہے۔ لیکن فہم و بصیرت اور تاریخ تہذیب کے مطالعہ کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اس کی شکایت کبھی نظورانِ فرنگ سے نہیں کی۔ ہمیشہ اپنے ہی خداوندانِ مکتب، اپنے ہی شاہینوں سے کی جنھوں نے برضا و رغبت مغرب کی غلامی کا طوق اپنے گلے کا ہار بنا رکھا تھا۔ [۴۳]

---

[۴۰] جاوید نامہ صہ ۲۲۲ [۴۱] ضربِ کلیم صہ ۵۳ [۴۲] ضربِ کلیم صہ ۸۵ [۴۳] ضربِ کلیم صہ ۱۵۲

دسمبر ۱۹۳۳ء میں اس مغربی نظامِ تعلیم پر تنقید کرتے ہوئے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک اجتماع سے فرماتے ہیں :- "ہماری تعلیم دماغی ترقی کے لئے کوئی ذریعہ مہیا نہیں کرتی اور نہ ہی وسیع النظر بناتی ہے ہر علم کی تعلیم اس قدر ناقص دی جاتی ہے کہ ہم اس علم سے متعارف بھی نہیں ہو سکتے۔ روحانیت کی ترغیب تو کیا ہوتی مذہب اور ہم سے دُور ہو جاتا ہے۔" [44]

انھوں نے اپنے حیات افروز پیام میں جا بجا اس امر کی نشاندہی کی کہ ہمارے مدارس، مکاتب اور روحانی درسگاہیں (خانقاہیں) سب علمِ خودی سے محروم ہیں علم، حکمت، معرفت اور نگاہ کوئی چیز وہاں سے حاصل نہیں ہوتی۔ سحرِ افرنگ نے ہمارے نوجوانوں کو آوازۂ تجدید کے ذریعہ ذہنی غلامی میں مبتلا کر دیا ہے۔ اس طرح تقلیدِ مغرب اور مستعار خیالات سے ان کی خودی ناکارہ ہوگئی ہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں :- "ہمارا نوجوان عقلی و ادراکی لحاظ سے مغربی دنیا کا غلام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی روح اس صحیح القوام خودداری کے عنصر سے خالی ہے جو اپنی قومی تاریخ اور قومی لٹریچر کے مطالعہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے اپنی تعلیمی جدو جہد میں، اسی حقیقت پر جس کا اعتراف تجربہ آج ہم سے کرا رہا ہے، نظر نہیں ڈالی کہ اغیار کے تمدن کو بلاشرکتِ احدے اپنا ہر وقت کا رفیق بنائے رکھنا گویا اپنے تئیں اس تمدن کا حلقہ بگوش بنا لینا ہے۔

شیخ مرحوم کا یہ قول مجھے یاد آتا ہے۔ ؎ دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے۔

مجھے رہ رہ کر یہ رنج دہ تجربہ ہوا ہے کہ مسلمان طالب علم اپنی قوم کے عمرانی، اخلاقی اور سیاسی تصورات سے نابلد ہے۔ روحانی طور پر وہ بمنزلہ ایک بے جان لاش کے ہے" [45] اسی طرح مولانا سیّد سلیمان ندوی کے نام ایک مکتوب میں امتِ مسلمہ کے انتشار و پریشانی پر دردمند ہوتے ہوئے لکھتے ہیں "میں خود مسلمانوں کے انتشار سے بے حد دردمند ہوں۔ مسلمانوں کا مغرب زدہ طبقہ نہایت پست فطرت ہے۔" [46] ظاہر ہے کہ مغربی نظامِ تعلیم و تربیت اور تہذیب و تمدن سے اقبال کی یہ بیزاری دینی تنگ نظری کے باعث نہیں بلکہ قوموں کے عروج و زوال میں تعلیم و تربیت کی اہمیت

---

[44] سیرت اقبال ط۔ چہارم ۱۹۶۳ء۔ ص ۱۲۰ قومی کتب خانہ لاہور

[45] مقالاتِ اقبال ص ۲۳ [46] سیرت اقبال ص ۱۳۸ و مکاتیب اقبال

وفعالیت پر گہرے غور وفکر کا نتیجہ تھی۔ علامہ اقبال کے ہاں امتِ مسلمہ کے نظامِ تعلیم وتربیت کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کی بنیاد دین ومذہب پر رکھی جائے۔ ہر قوم کا وجود اور کردار اس کے عقائد اور آئیڈیالوجی پر مبنی ہوتا ہے۔ اسی طرح امتِ مسلمہ کے اجتماعی وجود کی بقا کے لئے اس کی تعلیم میں دینی وروحانی عناصر کا شامل ہونا ضروری ہے :-

مذہب سے ہم آہنگیٔ افراد ہے باقی - دیں زخمہ ہے، جمعیتِ امت ہے اگر ساز [۴۷]

دینی وروحانی عنصر سے خالی تعلیم، فراغت کی بجائے الحاد کا ثمر لائے گی [۴۸] تعلیمی نظام میں تعمیر خودی کے لئے سازگار ماحول، خاطر خواہ انتظامات واقدامات کئے جائیں۔ طلبہ میں قوتِ فکر وعمل کو ابھارا جائے۔ یہ تحریکِ فکر وعمل، آرزو وتمنا کے ذریعہ کسی خاص مدعا ومقصد کے لئے وجود میں آیا کرتی ہے۔ اسی لئے تعلیم میں مقصدیت کو اوّلیت حاصل ہونا چاہیئے۔ مقصدیتِ تعلیم، مقصدیتِ حیات کا نام ہے :- فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود!

مروجہ نظامِ تعلیم میں مقصدیت کا عنصر نذرِ معاش ہو جاتا ہے جس تعلیم کا مقصد معاش، دولت جو ہو اس کا حصول اپنی ذات سے ہی نہیں بلکہ حقیقتِ مطلقہ سے بھی دھوکا ہے [۴۹] تعلیم ابلاغِ حقیقت وصداقت کا نام ہے اگر حقیقت وصداقت کو محض تخیل واستدلال سے پیش کیا جائے تو اس قدر اثر نہیں ہوتا جس قدر وہی حقیقت مذہب وعقیدہ کے زور سے پر اثر ہوتی ہے [۵۰] اسی لئے مذہبی وروحانی اقدار پر تعلیم کی بنیاد رکھ کر جب مقصدِ خودی کے حصول کے لئے آرزو مہمیز لگائے گی تو ذوقِ عمل اور جوشِ کردار وجود پذیر ہوں گے۔ ذہنی غلامی کے دبیز پردے چاک ہو جائیں گے اور عقل افکارِ غیر کی زنجیر سے آزاد ہو جائے گی۔ جذبۂ تخلیق وایجاد موجزن ہو گا اور وحدتِ افکار وکردار رونما ہو گی۔

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش - براہِ دیگراں رفتن عذاب است

---

[۴۷] اقبال کامل ص۳۴۷ [۴۸] بانگِ درا ص۲۷۳

[۴۹] IQBAL'S EDUCATIONAL PHILOSOPHY P. 114.

[۵۰] RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM P.170

گر از دستِ تو کارِ نادر آید - گناہے ہم اگر باشد ثواب است [۵۱]
ہر کہ او را قوّتِ تخلیق نیست - پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست [۵۲]
وحدتِ افکار و کردار آفریں تا شوی اندر جہاں صاحب نگیں
زندۂ مشتاق شو خلّاق شو - ہمچو ما گیرندۂ آفاق شو [۵۳]

حکیمِ ملّت کو قوم کی پریشاں نظری، یورپ کی غلامی کے سبب احساسِ کمتری کا بخوبی علم تھا اس لئے وہ ہمیشہ مختلف طریقوں سے قوم کو احساسِ برتری اور راہِ امید و رجا دکھاتے رہے:۔

غمیں نہ ہو کہ پراگندہ ہے تیرا - فرنگیوں کا یہ افسوں ہے قُم باذنِ اللہ [۵۴]
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت - دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے - مغرب نے سکھایا انہیں فنِ شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی - دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا [۵۵]
نرا نومیدی از طفلاں روا نیست چہ پروا گر دماغ شاں رسا نیست
بگو اے شیخِ مکتب گر بدانی کہ دل در سینۂ شاں ہست یا نیست [۵۶]

مفکرِ اسلام بار بار امر کو دہراتے ہیں کہ ذہنی غلامی جسمانی غلامی سے بھی زیادہ خطرناک مرض ہے۔ اسی مرض نے مسلم نوجوان سے لذتِ خودی اور تدبر و تفکر کا سلیقہ چھین لیا ہے۔ مدارس و مکاتب کی بے مقصد تعلیم، مغرب کے مستعار افکار، مغربی تہذیب کی اندھا دھند تقلید نے ہمارے جوانوں کو اُس جنوں سے محروم کر دیا ہے جو خرد کو قابو میں رکھتا ہے اور جس میں اسلاف کا جذبِ دروں موجود ہوتا ہے۔ ان کے دیدۂ شاہیں کو نگاہِ خفاش بنا دیا ہے۔ فکرِ معاش کو منتہا قرار دیکر ان کی روح قبض کر لی ہے۔ انہیں ذوقِ علم اور سوزِ یقیں سے محروم کر رکھا ہے۔ صنعتِ روحِ انسانی کا معمار تربیتِ لعلِ بدخشاں کے اصول و اسرار سے ناآشنا ہے:۔

مکتب از مقصودِ خویش آگاہ نیست - تا بجذبِ اندرونش راہ نیست۔

---

[۵۱] پیامِ مشرق صـ ۶۲ ۔ [۵۲] جاوید نامہ صـ ۲۲۵ [۵۳] جاوید نامہ صـ ۲۲۷ [۵۴] ضربِ کلیم صـ ۶۴
[۵۵] ضربِ کلیم صـ ۵۵ ۔ صـ [۵۶] ارمغانِ حجاز صـ ۱۴۱

خشت را معمارِ ما گر کج نہد - خوئے لط با بچۂ شاہیں دہد
علم تا سوزے نگیرد از حیات - دل نگیرد لذتے از وار دات
علم جز شرح مقامات تو نیست - علم جز تفسیر آیاتِ تو نیست
علمِ حق اوّل حواس آخر حضور - آخر او می نگنجد در شعور [۵۷]

اقبال نے علومِ جدیدہ، صنعتی تعلیم، اور تعلیم نسواں میں سے ہر ایک کی اہمیت واضح کی لیکن ملّتِ کفر کے برخلاف وہ ہر تعلیم کے حصول کا مقصد تعلیماتِ قرآن کے تحت دینی و روحانی و اخلاقی ضوابط کی پابندی بتاتے ہیں۔ ان کی نظر میں مومن کی منزلِ مقصود حقیقت مطلقہ تک رسائی ہے جبکہ ملتِ کفر کا مقصد تسخیر مادہ تک محدود ہے:-

کھلے ہیں سب کے لئے غریبوں کے میخانے - علومِ تازہ کی سرمستیاں گناہ نہیں
اسی سرور میں پوشیدہ موت بھی ہے تری - ترے بدن میں اگر سوز لا الٰہ نہیں [۵۸]
بے ہنرواں نزدِ بے دیں ہم قلم ہم تیغ را - چوں نباشد دیں نباشد کلک و آہن رامثن
فرنگ سے بہت آگے ہے منزلِ مومن - قدم اٹھا یہ مقام انتہائے راہ نہیں [۵۸]

حکیمِ مشرق نے فلسفۂ تعلیم و تربیت میں اس امر پر بار بار زور دیا ہے کہ ایک مسلمان کے لئے اسلامی زندگی قرآن مجید کی تعلیم و تفہیم اور اس میں تفکر و تدبر کے بغیر ناممکن ہے ؎

گر تو می خواہی مسلماں زیستن - نیست ممکن جز بقرآں زیستن

تعلیمِ قرآن سے بے بہرہ ڈاکٹر، انجینئر، سائنسدان، آرٹسٹ، فن کار غرض کسی بھی علم کا ماہر امتِ مسلمہ کے لئے کچھ فائدہ مند نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قرآن کی تعلیم کے بغیر روحِ مسلم مُردہ ہو جاتی ہے اور ایسے دین و دانش کا حصول جس میں سے فرد یا قوم کی روح سلب کر لی گئی ہو۔ انسانیت کی عظمت کے شایان شان نہیں۔ چنانچہ علامہ اقبالؒ اطفالِ امت کے لئے نصیحت کرتے ہیں:-

بآں دین و بداں دانش میرداز - کہ از ما می برد چشم و دل و دست
مباش ایمن ازاں علمے کہ خوانی - کہ از وے روحِ قومے میتواں کشت [۵۹]

---

[۵۷] جاوید نامہ صہ ۲۳۸ [۵۸] ضربِ کلیم صہ ۱۸۱ [۵۹] ارمغانِ حجاز صہ ۱۴۴

نئی نسل کے لئے قرآنی دین و دانش کی اہمیت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں :-

بہ پور خویش دین و دانش آموز　　کہ تابد چوں مہ و انجم نگینش
بدستِ او اگر دادی ہنر را　　یدِ بیضا است اندر آستینش [۶۰]

اسی طرح تعلیمِ نسواں کے متعلق اپنی آراء کا یوں اظہار کرتے ہیں :-

" پس اپنی قوم کی خاص نوعیت، اسلام کی تعلیم اور عالمِ نسواں کے متعلق علم الاعضاء اور علم الحیات کے اکتشافات کو مدِّ نظر رکھنے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مسلمان عورت کو جماعتِ اسلامی میں بدستور اسی حد کے اندر رہنا چاہیئے جو اسلام نے اس کے لئے مقرر کر دی ہے اور جو حد اس کے لئے مقرر کی گئی ہے اس کے لحاظ سے ہی اس کی تعلیم ہونی چاہیئے۔" [۶۱]

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن　-　کہتے ہیں اُسی علم کو اربابِ نظر موت
بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسۂ زن　-　ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت [۶۲]

امتِ مسلمہ کے نظامِ تعلیم و تربیت کے لئے یہ ہے علامہ اقبالؒ کا فلسفۂ تعلیم، جس کی بنیاد انھوں نے قرآن مجید پر رکھی ہے۔ مملکتِ خداداد پاکستان حاصل ہونے کے بعد بھی اگر ہم صرف خانہ پُری کے لئے دینی تعلیم باقی رکھیں اور آئندہ پاکستان کی زمامِ حکومت سنبھالنے والی نئی نسل کو اصل روح اور سرچشمہ دین سے بے بہرہ رکھیں تو یہ ہماری انتہائی بدقسمتی ہوگی۔ علامہ اقبال کے نظریۂ تعلیم کی رو سے ہمارا نظامِ تعلیم اس وقت تک صحیح رخ اختیار نہیں کر سکتا جب تک کہ ہم اس کا دارومدار کلام اللہ کی تعلیم پر نہ رکھیں۔ اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ براہ راست قرآن مجید کی تفہیم، اس میں غور و فکر اور تدبر کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے زبان قرآن (عربی) کی تعلیم از بس ضروری ہے۔ حالاتِ حاضرہ کے تقاضے اس امر کا شدت سے احساس دلا رہے ہیں کہ امتِ مسلمہ کی وحدت قائم رکھنے کے لئے بھی عربی زبان کا حصول ناگزیر ہے۔

جیسا کہ ہم نے بتایا علامہ اقبال اپنے نظریۂ تعلیم کی اساس قرآنی تعلیم پر رکھتے ہیں۔ دینی تعلیمات اور مذہبی مسائل کو کماحقہ سمجھنے کے لئے وہ فہم قرآن کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ نیاز احمد کے نام مکتوب

---

[۶۰] ارمغانِ حجاز صد ۱۴۲　[۶۱] مقالاتِ اقبال صد ۱۳۷　[۶۲] ضرب کلیم صد ۹۵

ہیں لکھتے ہیں۔ "مذہبی مسائل بالخصوص اسلامی مذہبی مسائل کے فہم کے لئے ایک خاص تربیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ افسوس کہ مسلمانوں کی نئی پود اس سے بالکل کوری ہے۔ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے تعلیم کا تمام تر دینی ہو جانا اس مصیبت کا باعث ہوا ہے" [۶۳] اسی لئے علومِ اسلامی کی معرفت و تحقیق کے لئے وہ عربی زبان سیکھنے پر زور دیتے ہیں۔ حافظ محمد فضل الرحمٰن انصاری کے ایک خط کے جواب میں فرماتے ہیں۔ "جہاں تک اسلامی ریسرچ کا تعلق ہے فرانس، جرمنی، انگلستان اور اٹلی کی یونیورسٹیوں کے اساتذہ کے مقاصد خاص ہیں۔ جن کو عالمانہ تحقیق اور احقاقِ حق کے ظاہری طلسم میں چھپایا جاتا ہے۔ سادہ لوح مسلمان طالب علم اس طلسم میں گرفتار ہو کر گمراہ ہو سکتا ہے۔ ان حالات میں آپ کے بلند مقاصد پر نظر رکھتے ہوئے میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے لئے یورپ جانا بے سود ہے۔

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں!

مصر جائیے۔ عربی زبان میں مہارت پیدا کیجئے۔ اسلامی علوم، اسلام کی دینی اور سیاسی تاریخ، تاریخِ تصوف، فقہ، تفسیر کا بغور مطالعہ کر کے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی اصلی روح تک پہنچنے کی کوشش کیجئے۔ اگر ذہن خداداد ہے اور دل میں جذبِ اسلام کی تڑپ ہے تو آپ اس تحریک کی بنیاد رکھ سکیں گے جو اس وقت آپ کے ذہن میں ہے۔" [۶۴]

---

[۶۳] سیرت اقبال بحوالہ مکاتیب اقبال صہ ۱۲۸

[۶۴] سیرت اقبال بحوالہ مکاتیب اقبال صہ ۱۳۲